نوٹس: **المعتقد المنتقد** سوالاً جواباً

مؤلف: **احمد نواز** قادری عطاری



فون:03024154930

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(1)سوال: المعتقد کے مصنف کا نام کیا ہے؟

جواب: علامہ فضلِ رسول قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (1213ھ ــــ 1289ھ)

مصنف کا تعارف

(2)سوال: علامہ فضلِ رسول قادری بدایونی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر سہ تعارف بیان فرمادیں؟

جواب: آپ رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف درج ذیل ہے:

نام: فضل رسول

والد کا نام: عبد المجید

نسبت: بدایونی

مکمل نام: علامہ فضل رسول قادری بدایونی حنفی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ووفات: (1213ھ، 1289ھ)

تعارف

عالم جلیل، فاضل نبیل، روشن قندیل، عمدہ سبیل، مسلک میں عدیل، سیرت کے جمیل علامہ فضلِ رسول قادری رحمۃ اللہ علیہ ہندستان کے مشہور شہر "بدایوں" کے "مولوی محلہ" میں پیدا ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رحمۃ اللہ علیہ سے 31 واسطوں کے ذریعے ملتا ہے اور خانوادۂ عثمانیہ

بدایوں کے مورث اعلیٰ علامہ قاضی دانیال قطری رحمۃ اللہ علیہ تک آپ کا سلسلہ نسب کچھ یوں ہے: علامہ فضل رسول بدایونی بن علامہ عبد المجید قادری بن علامہ عبد الحمید بن علامہ محمد سعید بن علامہ محمد شریف بن علامہ محمد شفیع بن شیخ مصطفیٰ بن شیخ عبد الغفور بن شیخ عزیز اللہ بن مفتی کریم الدین بن قاضی حمید الدین بن شیخ معروف بن شیخ مودود بن مولانا عبد الشکور بن شیخ محمد راجی بن قاضی سعد الدین بن قاضی شمس الحق بن علامہ قاضی دانیال قطری رحمۃ اللہ علیہ۔ قاضی دانیال قطری رحمۃ اللہ علیہ سلطان شہاب الدین غوری کے لشکر کے ساتھ قطر سے ہندستان تشریف لائے اور آپ سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان شروع سے ہی علم و فضل میں معروف تھا، آپ کے دادا بدایوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ چار سال کی عمر میں انہوں نے آپ کی رسم" بسم اللہ" ادا کی، ابتدائی علوم جیسے صرف و نحو انہیں سے سیکھے، 12 سال کی عمر میں مزید تعلیم کے لئے لکھنؤ کا پیدل سفر کیا اور وہاں کے ماہر، اساتذہ فن سے معقولات و منقولات میں مہارت حاصل کی۔ منطق کے معلم رابع معقولات کے امام علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور مرقات کے مصنف علامہ فضل امام خیر آبادی کے شاگرد مفتی صدرالدین آزردہ سے خط و کتابت رہی، خصوصاً جب وہابیہ کی طرف سے امکان کذب کا معاملہ اٹھا تو علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے موصوف علامہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس معاملہ میں رائے طلب کی جس کا آپ نے بہت احسن جواب دیا، اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عقائد پر "معتقد" جیسی عظیم یادگار چھوڑی اور اس میں جابجا وہابیہ کے عقائد کا باطلہ کا رد بلیغ کیا۔

اسفار

مفتی حاذق مولانا محمد احمد مصباحی صاحب نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل اسفار کا ذکر کیا ہے:

ہندستان سے بنارس کا سفر: تحصیل علم کے لئے آپ نے من جملہ اسفار میں سے بنارس کا بھی سفر کیا اور ایک طویل عرصہ وہاں رہے۔

حرمین شریفین کا سفر: کئی مرتبہ آپ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا سفر اختیار کیا اور وہاں کے علماء سے سند حدیث کی اجازت حاصل کی۔

بغداد کا سفر: 1270ھ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد شریف کیا سفر کیا اور وہاں کئی علماءِ، صلحاء سے ملاقات ہوئی خصوصاً شیخ علی سے جنہوں نے اپنے بیٹے کو آپ رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ کا حکم دیا۔اس کے علاوہ استنبول، حیدرآبار سمیت کئی علاقوں کا سفر کیا۔

بیعت: اپنے والد ماجد علامہ عبدالمجید کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور انہیں سے اذکار و اوراد، تمام سلاسل اور خلافت کی اجازت حاصل کی۔

اساتذہ: آپ کے دادا علامہ عبدالحمید ، آپ کے والد علامہ عبدالمجید، شیخ نورالحق لکھنوی، عظیم محدث و مفسر شیخ عابد مدنی، شیخ عبداللہ سراج مکی۔

تلامذہ: قاضی القضاۃ مفتی اسعد اللہ بن مفتی کریم، مفتی عنایت رسول چریاکوٹی، قاضی القضاۃ شیخ عبدالفتاح حسنی حسینی، شیخ سخاوت علی جونپوری، علامہ احمد سعید نقشبندی دہلوی، علامہ محمد صادق برکاتی مارہروی، شیخ شریف اولاد حسن موہانی، علامہ اشفاق حسین سہسوانی ، علامہ کرامت علی جونپوری، قاضی تجمل الحسین عباسی، نقیب الاشراف شیخ سلیمان، علامہ شریف ارجمند علی نقوی، علامہ جلال الدین بدایونی، علامہ وجیہ الدین صدیقی، علامہ تفضل حسین بدایونی، شیخ عبدالقادر بن فضل اللہ حیدرآبادی۔

خلفاء: شیخ عبدالعزیز مکی، شیخ آل نبی حسنی حسینی، شیخ نورالحسن حیدرآبادی، شیخ شریف شمس الضحیٰ حیدرآبادی، الحاج حمید الدین، شیخ محمد قدرت اللہ کشمیری۔

تعریفی کلمات

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی مدح کرتے ہوئے اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں:

ما كان هذا ديدني لكنه
تشبيب شعر لا ددالشبان

إذ ما دد مني ولا أنا من دد
إذ جنت أمدح رحلة لأواني

جبلاً رفيعاً فائقاً شما عُلى
بطلاً شجيعاً سيد الشجعان

علما عليما عالماً علامة
فضل الرسول الفاضل الرباني

إن رمت علم القلب فهو مناره
والمبصرون بهم هدى العميان

أو علم تأويل القران فيا له
من آية في الشرح والإزكان

أو علم أسماء الرجال فذكره
يحيى كنجل سعيد القطان

أيصول في علم الأصول عليه من

هو باقل و الشيخ باقلاني

أم في الفروع يريد يفرعه الذي

عي و غي فيه مجتمعان

أدب الأدبا شعبة من فضله

أعني على ما فيه من أفنان

لو أدركت روح ابن سينا طبه

لتمارضت واتته بالإرنان

(المعتقد، ص34، دار اہل السنہ کراچی)

اشعار کا خلاصہ: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ میری عادت نہیں لیکن شعر کی تمہید نہ کہ شبان کا کھیل، کیونکہ کھیل مجھ سے نہیں اور میں کھیل کے لئے نہیں کہ میرا مقصد تو زمانہ کے بڑے علماء کی تعریف کرنا ہے۔ جن میں بلند پہاڑ، اعلیٰ شان، بہادر اور بہادروں کے سردار، عظیم عالم، زمانہ سے خبردار میری مراد علامہ فضل رسول بدایونی ہیں۔ اگر تو ان کے علم الاخلاق کو دیکھے تو وہ اس کے منار ہیں اور آنکھ والے ان کی بصارت سے قاصر ہیں، اگر تو ان میں تاویل القرآن کا علم دیکھے تو وہ اس کی شرح اور تفہیم میں کمال ہیں، اگر تو ان میں اسماء الرجال کا علم دیکھے تو وہ اس میں گویا یحییٰ بن سعید قطان ہیں۔ ان کی علم اصول میں مہارت کو کوئی غبی کیسے پہنچ سکتا ہے اور شیخ باقلانی یا فروع میں کہ اس پر غلبہ کا ارادہ کرے جس میں کلام سے عاجز ہونا اور گمراہی جمع ہو۔ ماہر ادیب ہونا ان کے فضل کا ایک شعبہ ہے۔ اگر ابن سینا کی روح آپ کی طب میں مہارت دیکھ لے تو وہ بیمار ہو جائے اور آپ سے علاج کے لئے استغاثہ کرے۔

منطق کے معلم رابع مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مولانا الاودع الاروع البارع المتبرع الفارع المتفرع الضارع المتضرع ذو المناقب الثواقب

الجليلة والانظار الثواقب الدقيقة الجامع بين العلوم العقلية والنقلية ومعارف الشريعة والحقيقة طلاع الثنايا والنجاد ذائع الصيب في انجاد الحق وفل قرن طلع من النجد في الاغوار والانجاد العريف العريف الشريف الغطريف الصفي الخفي الحصي الحفي مولانا المولوي فضل الرسول القادري الحنفي“

ترجمہ: امانت دار، پرہیز گار، روشن دماغ، بلند مقام، عاجزی شعار، عمدہ مناقب والے، روشن انظار والے، علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع، شریعت و حقیقت کے عارف، تعریف اور بزرگی کے طلاع ہونے کی جگہ، بیان حق میں درستگی والے، نجد سے طلاع ہونے والے سینگ کو شکست دینے والے، علم و علوم کے عارف، شرافت میں سردار، روشن صفیٰ والے، وافر عقل والے، مولانا فضل رسول قادری حنفی رحمۃ اللہ علیہ۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی اس کتاب ”المعتقد“ پر حاشیہ لکھا جس کے خطبہ میں فرماتے ہیں: ”خاتم المحققين عمدة المدققين سيف الاسلام اسد السنة حتف الظلام سد الفتنة مولانا الاجل الابجل السيف المسلول معين الحق فضل الرسول السني الحنفي القادري البركاتي العثماني البدايوني“

ترجمہ: خاتم المحققین، سیف الاسلام، اسد السنہ، اندھیروں کو مٹانے والے، فتنوں کو ختم کرنے والے، عالم اجل، السیف المسلول (دشمن پر تنی ہوئی تلوار)، معین الحق فضلِ رسول سنی حنفی قادری برکاتی عثمانی بدایونی۔

تصانیف: شرح فصوص الحکم، شرح احادیث ملتقطۃ من ابواب صحیح مسلم، حواشی علی الحواشی الزاہدیہ، تصحیح المسائل، حرز معظم، فصل الخطاب، تلخیص الحق، فوزالمؤمنین، البوارق المحمدیہ، احقاق الحق، سیف الجبار، المعتقد المنتقد۔

کچھ المعتقد المنتقد کے بارے:

المعتقد علم الکلام پر لکھی جانے والی مختصر اور جامع تالیف ہے جس میں عقائد اہل سنت کو خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے اور باطل فرقوں کا رد بلیغ کیا گیا ہے خصوصاً دور حاضر کے وہابیہ کے باطل نظریات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ علامہ فضل رسول اس کتاب کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں تھا تو مجھے کسی نے عقائد پر ایسی کتاب لکھنے کا کہا جس میں عقائد اہل سنت کو بیان کیا گیا ہو اور نجدیوں کے عقائد باطلہ کا رد کیا گیا ہو، فرماتے ہیں اس کے حکم کی بجا آوری کے لئے میں نے اس کتاب کو تصنیف کیا۔

عربی شروحات: المعتمد المستند؛ یہ حاشیہ عظیمہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم شاہ کار ہے۔ اس حاشیہ کی تالیف کا سبب یہ ہے کہ مولانا قاضی عبد الوحید نے المعتقد کی طباعت کا ارادہ کیا اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا ایک نسخہ تصحیح کے لئے دیا جس میں کئی غلطیاں تھیں اور عبارت آگے پیچھے تھی جس کی آپ نے تصحیح فرمائی بعد میں مولانا وصی احمد سورتی کے ایماء پر اس میں حواشی کا اضافہ فرمایا۔

اردو شروحات: تاج الشریعہ حضور اختر رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے المعتقد کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

علامہ فضلِ رسول قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے لئے درج ذیل کتب کا مطالعہ فرمائیں:

(المعتقد، ص34، دار اہل السنہ کراچی، المعتقد برکاتی پبلشرز-کراچی، علمی و تحقیقی مجلہ "الادراک"، ج2، شمارہ2، جولائی، دسمبر2022ء، اکمل التاریخ، مردان خدا، تذکرۃ الواصلین، تذکرہ علمائے ہند)

(ماخوذ از: تراجم المصنفین، مؤلف: راقم الحروف احمد نواز قادری عطاری)

(3) سوال: المعتقد کی کسی شرح یا حاشیہ کا نام بتا دیں؟

جواب: اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے المعتقد پر "المستند المعتمد بناء نجاۃ الابد" کے نام سے عربی حاشیہ تحریر کیا ہے، جو کتاب ہذا کے مشکل مقامات کے حل کے لئے بہت اہم ہے۔ تاج الشریعہ حضور اختر رضا خاں بریلوی ازھری نے المعتقد کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

حکم کی اقسام

(4)سوال: حکم کی کتنی اقسام ہیں تعریفات بمعہ امثلہ مفصل بیان کریں؟

جواب: حکم کی تین قسمیں ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں: عقلی، شرعی، عادی۔

- **حکم عقلی کی تعریف**: عقل کا کسی امر کو ثابت کرنا یا اس کی نفی کرنا تکرار اور واضع کی وضع پر موقوف ہوئے بغیر۔ جیسے "جسم کے لئے حیز" کہ کوئی بھی جسم عقلاً حیز سے خالی نہیں ہو سکتا، ایسے ہی جسم کا حرکت و سکون سے خالی ہونا بھی عقلاً ممتنع ہے۔
- **حکم عادی کی تعریف**: ایک امر کا دوسرے امر کے ساتھ وجود یا عدم میں تکرار کے ذریعے ربط (تعلق) قائم کرنا اس حیثیت سے کہ ان کا آپس میں تخلف صحیح ہو اور ایک دوسرے میں مؤثر بھی نہ ہو۔ جیسے: "جلانا" آگ کے ساتھ مربوط ہے اور "پیٹ کا بھرنا" کھانا کھانے کے ساتھ مربوط ہے۔ یہاں تخلف صحیح ہے کہ آگ ہو لیکن نہ جلائے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شعلے مارتی آگ نے نہ جلایا اور حضور ﷺ کے چہرہ انور پر لگے ہوئے رومال کو جلانے کے بجائے آگ کا صاف کرنا وغیرہ۔ اور آگ جلانے میں مؤثر بھی نہیں کہ حقیقی مؤثر اللہ تعالیٰ ہے۔
- **حکم شرعی کی تعریف**: اللہ تعالیٰ کا خطاب جو مکلفین کے افعال کے ساتھ متعلق ہو۔
  - بطور طلب چاہے وہ جزمی ہو جیسے: ﴿اقیموا الصلوٰۃ﴾ یا غیر جزمی ہو جیسے: ﴿کلوا واشربوا﴾ فعل میں ہو جیسے مذکورہ امثلہ یا ترک میں ہو جیسے: ﴿لا تأکلوا الربا﴾۔
  - بطور اباحت یعنی کرنے اور نہ کرنے میں اختیار ہو جیسے سنن الزوائد، مستحبات، مباحات۔
  - بطور وضع یعنی شارع نے یا تو اس کو سبب بنایا ہو کہ اس کے عدم سے عدم لازم آئے اور اس کے وجود سے وجود لذاتہ لازم آئے۔ جیسے: وقت نماز کے لئے اور نصاب وجوب زکوٰۃ کے لئے۔ یا شرط بنایا ہو کہ اس کے عدم سے عدم لازم آئے اور اس کے وجود سے وجود لازم نہ آئے اور نہ

ہی عدم لذاتہ جیسے:وضوء نماز کے لئے۔یا مذکورہ احکام کے لئے مانع بنایا ہو کہ اس کے وجود سے عدم لازم آئے اور اس کے عدم سے وجود لازم نہ آئے اور نہ ہی عدم لذاتہ۔

نوٹ: حکم کی ان تین اقسام میں سے دوسری قسم یعنی **حکم عادی** کو دین کے اصول وضوابط میں کوئی دخل نہیں۔ **حکم شرعی** کبھی بطور تائید لایا جاتا ہے اور کبھی مستقل ہوتا ہے ان امور میں جن پر نبوت موقوف نہیں جیسے: سمع، بصر اور کلام۔۔۔نہ کہ وجود اور مصححات فعل جیسے: علم، قدرت، حیاۃ اور وحدانیۃ ایک رائے پر۔ **حکم عقلی** یہ اصول دین کی بنیاد ہے اور اس کی مزید تین قسمیں ہیں:واجب، جائز اور ممتنع جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

حکم عقلی کی اقسام:

- واجب: عقل میں جس کا عدم متصور نہ ہو یا تو بداہتاً جیسے: جسم کے لئے حیز کہ عقلاً کوئی بھی جسم اس سے خالی نہیں ہو سکتا بلکہ کسی نہ کسی حیز میں ہی ہو گا۔ یا نظری طور پر جیسے: اللہ تعالیٰ کے لئے قِدَم کا واجب ہونا۔
- جائز: عقل میں جس کا وجود اور عدم دونوں ممکن ہوں یا تو بداہتاً جیسے: جیسے حرکت یا سکون جسم کے لئے کہ دونوں میں سے کوئی ایک معین طور پر جسم کے لئے ضروری نہیں ہاں دونوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔یا نظری طور پر جیسے: اللہ جل جلالہ کا گناہوں کو معاف کرنا، نیکیوں کو دگنا کرنا وغیرہ۔
- ممتنع: عقل میں جس کا وجود متصور نہ ہو یا تو بداہتاً جیسے: جسم کا حرکت و سکون دونوں سے خالی ہونا۔ یا نظری طور پر جیسے: شریک باری تعالیٰ کا وجود۔

حکم عقلی کی ان تینوں اقسام کا حکم:

حکم عقلی کی ان تینوں اقسام کا علم ہونا ہر عاقل، بالغ مکلف پر فرض عین ہے جبکہ ماتریدیہ بالغ ہونے کی شرط بھی نہیں لگاتے یعنی ان کے نزدیک ہر عاقل مکلف پر ان اقسام کا جاننا ضروری ہے اگرچہ وہ نابالغ ہو۔اور اس میں جن وانس، مذکر ومؤنث، آزاد و غلام کا کوئی فرق نہیں یعنی سب پر ان اقسام کا علم ضروری

ہے کہ کونسی چیزیں اللہ تعالیٰ کے حق میں واجب ہیں، کونسی جائز اور کونسی محال ہیں ایسے ہی انبیاء ورسل کے حق میں کونسی باتیں واجب، کونسی جائز اور کونسی محال ہیں اور نبوت کے احکام میں سے کیاان پر واجب ہے، ایسے ہی یوم آخرت اور اس کے متعلقات کا علم ضروری ہے۔

علم الکلام کی تعریف، موضوع، غرض وغایت

(5)سوال: علم الکلام کی تعریف، موضوع، مسائل اور غرض وغایت بیان فرمادیں؟

جواب: **علم الکلام کی تعریف:**

ادلۂ یقینیہ سے عقائد دینیہ کو جاننا(یعنی قطعی دلائل سے اسلامی عقائد کو جاننا)۔

علم الکلام کا موضوع: وہ معلومات ہیں جس پر اس کو محمول کیا جائے جس کے ساتھ یہ عقیدہ دینیہ بن جائے جیسے کہا جائے اللہ تعالیٰ قدیم ہے تو معلوم پر اس کو محمول کیا گیا جس کے ساتھ یہ عقیدہ دینیہ بن گیا۔

علم الکلام کے مسائل: اس کے مسائل قضایا نظریہ شرعیہ اعتقادیہ ہیں اور ان میں سے بعض کو جو ضروریات دین کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا دین سے ہونا سب خاص وعام جانتے ہیں اور اس میں کسی کو شک نہیں لہذا بطور مشابہت ان کو ضروریات دین کہا جاتا ہے نہ کہ یہ ان کے ساتھ ملحق ہیں جیسا کہ علامہ لاقانی نے فرمایا۔

نوٹ: احکام شرعیہ سب کے سب اپنی اصل کے اعتبار سے نظری ہیں کیونکہ یہ نبوت کے ثبوت کے بعد ثابت ہوتے ہیں اور نبوت معجزہ کے علم کے بعد ثابت ہوتی ہے اور معجزہ نظری ہے جیسا کہ علامہ نابلسی نے فرمایا۔

علم الکلام کی غرض وغایت: ایمان کو مضبوط کرنا اور احکام شرع کی تصدیق کرنا۔

الباب الاول فی الإلٰھیات

(6)سوال:اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر پہلا واجب کونسا ہے؟

جواب:اللہ جل شانہ کی معرفت یعنی اس کے وجود، الوہیت اور کمالات کو پہچاننا نہ کہ اس کی ذات وصفات کی حقیقت کو جاننا کیونکہ یہ عقلاً اور شرعاً ممتنع ہے۔

معرفت کی اقسام

(7)سوال:معرفت کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب:معرفت کی چار قسمیں ہیں:حقیقیہ، عیانیہ، کشفیہ اور برہانیہ۔

- **معرفت حقیقیہ**:اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنے آپ کو پہچاننا۔
- **معرفت عیانیہ**: آنکھوں سے دیکھنے کے ذریعے حاصل ہونے والی معرفت اور یہ آخرت میں مؤمنین کے ساتھ خاص ہے کہ جنت میں ہی سب کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا سوائے نبی کریم ﷺ کے کہ آپ ﷺ کو جمہور کے نزدیک دنیا میں بھی دیدار ہوا۔
- **معرفت کشفیہ**:کشف وکرامت کے ذریعے حاصل ہونے والی معرفت۔یہ محض فضل الٰہی ہے اور ہم اس کے مکلف نہیں۔
- **معرفت برہانیہ**:دلیل قطعی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے وجود کو جاننا اور ان چیزوں کو جاننا جو اس کے حق میں واجب ہیں اور جو محال ہیں۔علم الکلام میں یہی معرفت مراد ہے۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس میں غور وفکر کرنے کی توجہ دلائی گئی ہے جیسے:﴿سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی أنفسھم حتی یتبین لھم أنه الحق﴾ ترجمہ:عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں دیکھائیں آفاق میں اور خود ان کے اندر تاکہ ان کے لئے حق واضح ہو۔﴿کذٰلک یریکم اللہ اٰیته فی الافاق وفی انفسکم

لعلکم تذکرون﴾۔ترجمہ:اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے آفاق میں اور خود تمہارے اندر تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔﴿**فی الافاق وفی انفسکم افلا تبصرون**﴾ ترجمہ:دنیا بھر میں اور خود تم میں کتنی نشانیاں ہیں تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔

نوٹ: معرفت کے واجب ہونے میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اسی طرح اس نظر کے واجب ہونے میں بھی کوئی اختلاف نہیں جو معرفت کی طرف لے جانے والی ہے، اختلاف اس بات میں ہے کہ پہلا واجب کونسہ ہے؟

☆ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پہلا واجب معرفۃ ہی ہے کیونکہ باقی احکام اس پر متفرع ہوتے ہیں۔

☆ امام ابواسحٰق اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:پہلا واجب معرفت میں غوروفکر کرنا ہے۔

☆ قاضی ابو بکر اور امام الحرمین نے فرمایا:پہلا واجب معرفت کا قصد کرنا ہے۔

☆ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:اگر قصد اول سے واجبات مقصودہ کا اول مراد ہو تو وہ معرفت ہے اس بندہ کے نزدیک جو اس کو مکلف کے لئے مقدر مانتا ہے اور جو مکلف کے لئے مقدر نہیں مانتا اس کے نزدیک معرفت میں غوروفکر کرنا ہے اور اگر پہلا واجب مراد لیا جائے چاہے جیسے بھی ہو تو وہ قصد ہے۔

(8)سوال:اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے کا کیا مطلب ہے اور اس پر کچھ عقلی ،نقلی دلائل بھی بیان کردیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وجود عقلاً اور شرعاً دونوں اعتبار سے یقینی اور ضروری ہے اس کی ذات کے مقتضیٰ کی وجہ سے نہ کہ کسی علت کی وجہ سے لہذا وہ عدم کو اصلاً قبول نہیں کرتا جیسے ممتنع لذاتہ وجود کو اصلاً قبول نہیں کرتا۔اور یہ کئی نقلی وعقلی دلائل سے ثابت ہے نیز قرآنی آیات ،احادیث اور عقلاء کا اس پر اجماع ہے لہذا اس کے خلاف دہریوں کے مکابرہ کا کوئی اعتبار نہیں۔

نقلی دلیل جیسے:﴿أفی الله شك فاطر السماوات والأرض﴾ ترجمہ: کیا اللہ کے بارے تمہیں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمانے والا ہے۔ عقلی دلیل جیسے: عالَم اور اس کے اجزاء میں سے ہر جزء اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور جس کے سب محتاج ہوں تو اس کا واجب الوجود ہونا ضروری ہے وگرنہ دور یا تسلسل لازم آئے گا اور یہ دونوں محال ہیں۔

(9)سوال: اللہ تعالیٰ کے قدیم اور باقی ہونے کا مطلب کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے قدیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کوئی ابتداء نہیں یعنی اس کے وجود پر عدم نے سبقت نہیں کی اور یہی اس کے "ازلی" ہونے کا مطلب ہے۔ لفظ قدیم کا اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے اور عدم کے سبقت کرنے کی نفی کے علاوہ کوئی اور معنی نہیں لہذا یہ اعتراض لازم نہیں آتا کہ قدم ذات قدیمہ پر کوئی زائد معنی ہے۔ قدیم یہاں "تطاول الزمان" کے معنی میں نہیں کیونکہ یہ حوادثات کی صفت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے﴿کالعرجون القدیم﴾ جیسے کھجور کی پرانی شاخ۔

باقی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے وجود کی کوئی انتہاء نہیں یعنی اس پر عدم کا طاری ہونا محال ہے اور یہی اس کے "ابدی" ہونے کا مطلب ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اس پر کئی نقلی و عقلی دلائل موجود ہیں۔ نقلی دلیل جیسے:﴿کل من علیها فان ویبقٰی وجه ربك ذو الجلال والاکرام﴾ ترجمہ: جتنے زمین پر ہیں سب فنا ہونے والے ہیں اور باقی رہے گا تیرے رب کا وجہ کریم عظمت و تکریم والا۔ عقلی دلیل جیسے: اگر بفرض محال اللہ تعالیٰ قدیم نہ ہو تو اس کا کسی محدث کی طرف محتاج ہونا لازم آئے گا اور اس محدث کا کسی اور کی طرف محتاج ہونا لازم آئے یوں یا تو تسلسل لازم آئے گا یا دور اور اس سے حادث کا اصلاً وجود حاصل نہیں ہو گا اور یہ بات باطل ہے کیونکہ حوادث کا حصول بدیہی طور پر ثابت ہے لہذا لازم ہے کہ حادث کی انتہاء کسی ایسے موجِد کی طرف ہو جو قدیم ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور جب اس کا قدیم ہونا ثابت ہو گیا تو اس پر عدم محال ہے کیونکہ قدم بقاء کو لازم ہے۔

نوٹ: مذہب مختار کے مطابق قدم و بقاء دونوں صفات سلبیہ میں سے ہیں جبکہ بعض نے صفات نفسیہ ہونے کا قول کیا ہے اور مواقف میں اس قول کو جمہور کی طرف منسوب کیا گیا ہے شاید ان کی مراد جمہور معتزلہ ہوں۔ بعض نے کہا یہ دونوں صفات ثبوتیہ ہیں جو ذات پر زائد ہیں جیسا کہ قدرت وارادہ اور بعض دیگر نے کہا قدم صفت سلبیہ ہے اور بقاء صفت وجودیہ ہے۔

(10)سوال: اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر کچھ دلائل ذکر کر دیں؟

جواب: جیسے: ﴿قل هو الله أحد﴾ ترجمہ: فرمادو اللہ ایک ہے۔ ﴿وإنما إلهكم إله واحد﴾ ترجمہ: اور بیشک تمہارا ایک ہی خدا ہے۔ ﴿لو كان فيهما آلهة إلا الله لفسدتا﴾ ترجمہ: اگر زمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور تباہ ہو جاتے۔

﴿لو كان فيهما آلهة إلا اللهُ لفسدتا﴾ کی مکمل وضاحت

(11)سوال: ﴿لو كان فيهما آلهة إلا الله لفسدتا﴾ اس آیت کریمہ سے متکلمین نے کتنی دلیلیں اخذ کی ہیں؟

جواب: دو، ایک اشارۃ اور دوسری عبارۃ۔ پہلی کا نام انہوں نے "برہان التمانع" رکھا اور اس کو "برہان النظار" بھی کہا جاتا ہے، اس کے قطعی ہونے میں سب کا اتفاق ہے جبکہ دوسری کے بارے متکلمین کا اختلاف ہے بعض نے اس کو اقناعی (ظنی) قرار دیا جیسے: علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے متبعین۔ اور بعض نے کہا یہ بھی قطعی ہے جیسے: امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے متبعین۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ آیت حجۃ اقناعیہ اور ملازمہ عادیہ ہے یعنی عادۃً ایسے ہی ہوتا ہے کہ جب امراء زیادہ ہوں تو ہر ایک دوسرے پر غلبہ چاہتا ہے جیسا کہ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کے فرمان میں اشارہ کیا گیا ہے ﴿ولعلا بعضهم على بعض﴾ ترجمہ: اور ان کے بعض بعض پر غلبہ چاہتے ہیں۔ اور اگر فساد بالفعل مراد لیا جائے تو محض تعدد اس کو لازم نہیں کہ ہو سکتا ہے وہ اس نظام پر اتفاق

کرلیں۔ جبکہ **امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اس دلیل کے قطعی ہونے کی وجہ یہ ذکر کرتے ہیں:** کہ ملی یعنی مسلمان پر تو اس کے قطعی ہونے کا یقین رکھنا ضروری ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خداؤں کے متعدد ہونے کے ساتھ فساد کی خبر دی ہے اور جو مسلمان نہیں اس کو جبر ماننا ہوگا دین کے ثبوت کے واسطے۔ یا عادت کے لازم کرنے کی وجہ سے کہ علوم عادیہ علم قطعی میں داخل ہیں۔

برہان التمانع: اگر دو خدا ہوں تو ان کے درمیان "تمانع" بھی ممکن ہوگا یعنی مثلاً ایک زید کی حرکت کا ارادہ کرے اور دوسرا زید کے سکون کا کہ دونوں باتیں فی نفسہ ممکن ہیں اب اگر دونوں کا ارادہ پورا ہو تو اجتماع ضدین لازم آئے گا جو کہ محال ہے اور اگر ایک کا ارادہ پورا ہو اور دوسرے کا نہ ہو تو جس کا ارادہ پورا نہ ہو اس کا عاجز ہونا لازم آئے گا اور جو عاجز ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا لہٰذا تعدد محال ہے کیونکہ یہ تمانع یعنی محال کو مستلزم ہے اور جو چیز محال کو مستلزم ہو وہ خود بھی محال ہوتی ہے۔ فھاء

(12) سوال: اللہ جل وعلا کے "قائم بنفسہ" اور "حوادث کے مخالف ہونے" کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اللہ جل ذکرہ کے "قائم بنفسہ" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ماسوا سے بے نیاز ہے اور نہ ہی کسی محل کا محتاج ہے جس کے ساتھ قائم ہو کہ محل کے ساتھ صفت متصف ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ صفت نہیں بلکہ صفات اس کے ساتھ متصف ہیں اور نہ ہی وہ کسی مخصص کا محتاج ہے جو اس کو وجود دے کیونکہ سب کو وجود دینے والا وہی ہے۔ اس کو غناء حقیقی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور غیر کو اگر غناء کے ساتھ متصف کیا جائے تو یہ مجازاً ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿واللہ ھو الغني الحمید﴾ اور ﴿واللہ غني عن العلمین﴾۔

"حوادث کے مخالف" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی چیز اس کے مماثل نہیں ذات میں، صفات میں اور نہ ہی افعال میں۔ ارشاد باری ہے ﴿لیس کمثلہ شیئ﴾۔

﴿لیس کمثلہ شیئ﴾ میں "مثل" سے مراد

☆ مثل سے مراد اس کی ذات ہے یعنی اس کی ذات کی طرح کوئی اور ذات نہیں جیسے کہا جاتا ہے "مثلك لایفعل کذا" تیری مثل یوں نہیں کرتا۔

☆ بعض نے کہا مثل سے مراد اس کی صفت ہے یعنی اس کی صفت کی طرح کسی کی صفت نہیں۔

☆ اور بعض نے کہا: مبالغہ مراد ہے یعنی اگر اس کی مثل فرض کی جائے تو کوئی کیسے اس کی طرح ہو سکتا ہے جب اس کی مثل ہے ہی نہیں۔

☆ جبکہ بعض نے کہا اس میں کاف زائدہ ہے۔

نوٹ: پہلی صفت یعنی "وجود" کے علاوہ باقی پانچ صفات سلبیہ ہیں اور وجود صفت نفسیہ ہے جبکہ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وجود عین ذات ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کتاب "محصل" میں انہیں موافقت کی اور دیگر مقامات پر اس کے مخالف فرمایا کہ: وجود "ذاتِ موجود" کا غیر ہے حادث اور قدیم دونوں میں لہذا یہ صفات میں سے ہے۔

(13) سوال: اللہ جل جلالہ کے "حیّ" اور "قدیر" ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اللہ تبارک وتعالیٰ کے حیّ ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے جبکہ حیات کے معنی میں اختلاف ہے جمہور اہل سنت کے نزدیک حیات صفت وجودیہ اور قائم بالذات ہے، جس کے ساتھ قائم ہو اس کے لئے علم اور قدرت کے صحیح ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ جبکہ حکماء اور بعض معتزلہ کے نزدیک یہ علم اور قدرت کے امتناع کا عدم ہے۔ بندوں کے حق میں حیات کی تعریف یہ ہے کہ جو حس اور حرکت بالارادہ کو قبول کرے اور یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔ فرمان باری عزّ اسمہ ہے ﴿هو الحی لا اله الا هو﴾۔

اللہ تعالیٰ وتقدس کے "قدیر" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے عالم کا وجود اور ترک دونوں صحیح ہیں ان میں سے کچھ بھی اس پر واجب نہیں یہی اہل حق کا مذہب ہے جبکہ فلاسفہ اس معنی کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم کا وجود اس نظام پر جو واقع ہے اس کی ذات کے لوازمات میں سے ہے اور

یہ ان کی طرف سے قدیر کی تفسیر میں اختلاف نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ فعل کی مشیت جو فیض اور جود ہے اس کی ذات کے لوازم میں سے ہے۔

نوٹ: واجب اور محال تحت قدرت نہیں کیونکہ یہ دونوں صفت مؤثرہ ہیں اور ان کے اثر کا تقضایہ ہے کہ مؤثر عدم کے بعد موجود بھی ہو اور جو عدم کو اصلاً قبول نہیں کرتا جیسا واجب تو قدرت اس کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتی تاکہ تحصیل حاصل لازم نہ آئے اور جو "وجود" کو اصلاً قبول نہیں کرتا جیسے شریک باری تعالیٰ تو قدرت اس کے ساتھ بھی متعلق نہیں کیونکہ اگر متعلق ہو تو قلب حقیقت لازم آئے گا یعنی محال کا وجود۔ جبکہ ابن حزم نے اس کا خلاف کیا اور کہا: اللہ تعالیٰ اپنے لئے اولاد پیدا کرنے پر قادر ہے کیونکہ اگر وہ قادر نہ ہو تو اس کا عاجز ہونا لازم آئے گا۔ استاذ ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں حضرت ادریس علیہ السلام کا واقعہ نقل کیا کہ آپ علیہ السلام کے پاس ابلیس انسانی صورت میں انڈے کا ایک چھلکا لے کر آیا، اس وقت آپ کچھ سی رہے تھے اور سوئی داخل کرتے اور نکالتے وقت فرماتے: سبحانَ اللہِ والحمدُ للہ۔ ابلیس یعنی شیطان نے آپ سے سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ پوری دنیا کو اس چھلکے میں بند کر دے؟ تو آپ نے جواباً فرمایا: اللہ تعالیٰ تو ساری دنیا کو اس سوئی کے ناکے میں بند کرنے پر بھی قادر ہے اور یہ کہہ کر سوئی اس کی ایک آنکھ میں جھبو دی جس سے وہ کانا ہو گیا۔

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ادریس علیہ السلام کے جواب سے اس جنس کے کئی مسائل کا جواب اخذ کیا اور حضرت ادریس علیہ السلام کے جواب کی وضاحت بھی فرمائی کہ: اگر سائل یہ مراد لے کہ دنیا جتنی ہے اتنی ہی رہے اور انڈے کا چھلکا بھی اتنا ہی رہے تو اس صورت میں دنیا کا انڈے کے چھلکے میں بند ہونا محال ہے ہاں اگر یہ مراد لیا جائے کہ: اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے دنیا کو چھوٹا کر دے یا انڈے کے چھلے کو بڑا کر دے تو اس صورت میں دنیا کا چھلکے میں بند ہونا ممکن ہے اور بیشک اس پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔

شیخ عبد اللہ بن اسعد یمنی سے ایک سوال

(14)سوال: شیخ عبد اللہ بن اسعد یمنی سے کیا سوال کیا گیا؟ اور آپ نے اس کا کیا جواب ارشاد فرمایا؟

جواب: سائل نے اللہ تعالیٰ کے تمام ممکنات پر قادر ہونے کے متعلق سوال کیا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا﴿خالق کل شیئ﴾ اس فرمان باری تعالیٰ سے اس کی ذات اور صفات نکل گئیں یعنی یہ مخلوق میں شامل نہیں تو سائل نے پوچھا ان دو یعنی ذات وصفات کے ساتھ کوئی اور چیز بھی محالات میں سے ان کے ساتھ لاحق کی جائے گی یا نہیں؟ یونہی اس نے سوال کیا کہ ﴿حتیٰ یلج الجمل فی سم الخیاط﴾ کفار کی امیدوں کا منقطع ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا تحت قدرت نہیں وگرنہ وہ مایوس نہ ہوتے اِلا یہ کہ محال ذاتی کے بجائے یہاں محال عادی مراد لیا جائے؟

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جواب دیا کہ ہر وہ چیز جو "وجود، عدم اور انعدام" کے ساتھ متصف ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں: واجب، جائز اور محال۔

- واجب: واجب الوجود فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔
- جائز: یعنی جس کا وجود وعدم دونوں برابر ہیں جیسے تمام عالَم اللہ تعالیٰ کے علاوہ۔
- محال: یعنی جس کا نہ ہونا واجب ہو جیسے شریک باری تعالیٰ۔

محال کی اقسام

محال کی تین قسمیں ہیں: محال عقلی، محال شرعی اور محال عادی۔

← محال عقلی: یعنی جو عقلی طور پر محال ہو۔ ہر محال عقلی "محال شرعی اور محال عادی" بھی ہوگا۔ محال عقلی کی مثالیں: جیسے دن اور رات کا جمع ہونا، نقیضین کا اجتماع، ایک ہی چیز کا جفت اور طاق ہونا وغیرہ۔

← محال شرعی: یعنی جو شرعی طور پر محال ہو۔ جو چیز شرعاً محال ہو گی تو وہ عادۃً بھی محال ہو گی لیکن عقلاً اس کا محال ہونا ضروری نہیں جیسے: کافر کا جہنم میں ہمیشہ رہنا عقلاً واجب نہیں جبکہ شرعاً واجب ہے۔ محال شرعی کی مثالیں: حیضہ عورت کی نماز اور روزہ کا صحیح ہونا، کافر کا جنت میں داخل ہونا۔ یہ امور شرعاً محال ہیں۔

← محال عادی: یعنی جو چیز عادۃً محال ہو۔ عادۃً محال چیز کا عقلاً اور شرعاً محال ہونا ضروری نہیں۔ مثال: جیسے انسان کا ہوا میں اڑنا۔

نوٹ: دن اور رات کا جمع ہونا یہ عقلاً، شرعاً اور عادۃً تینوں طرح محال ہے۔

(15) سوال: اللہ تعالیٰ کے سمیع اور بصیر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے لئے سمع صفت وجودیہ ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس کی شان ہر مسموع کا ادراک کرنا ہے اگرچہ وہ مخفی ہو۔ اسی طرح بصر بھی صفت وجودیہ ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس کی شان ہر مبصَر کا ادراک کرنا ہے اگرچہ لطیف ہو لیکن یاد رہے اس کی سمع اور بصر بغیر اعضاء کے ہے یعنی کان اور آنکھ کیونکہ وہ ان سے پاک ہے۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک سمع اور بصر علم پر زائد صفات ہیں جبکہ فلاسفہ اور بعض معتزلہ کے نزدیک یہ مسموعات اور مبصرات کے علم سے عبارت ہیں۔

(16) سوال: اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: کلام اللہ جل وعلا کی صفت ہے جو قدیم اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، حرف اور آواز سے پاک ہے، اس کو کلام نفسی کہا جاتا ہے اور اس کو عربی یا عبرانی زبان کے ساتھ موصوف نہیں کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے پر انبیاء کا اجماع ہے کہ وہ فرماتے ہیں: اُمر بِکذا (یعنی اس چیز کا حکم دیا گیا)، ونُہِی عن کذا (اس سے منع کیا گیا)، اُخبِر بکذا (اس کی خبر دی گئی)۔ لغۃً کے اعتبار سے متکلم اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کلام قائم ہو نہ کہ اس کو جو غیر میں حروف کو وجود دے لہذا معتزلہ کا یہ کہنا کہ اللہ کے متکلم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیر میں حروف اور آواز کو پیدا کرتا ہے یہ لغت کے مخالف ہے۔ اصل کلام کا منکر کافر

ہے کیونکہ یہ قرآن اور اجماع سے ثابت ہے اسی طرح اس کے قدیم ہونے کا منکر بھی کافر ہے اگر وہ ایسا معنی مراد لے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کلام نفسی کو سنا جاسکتا ہے اور امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا منع منقول ہے جبکہ صاحب تبصرہ نے اس منع پر منع وارد کیا ہے، اختلاف حقیقت میں اس کلام کے بارے میں ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنا تھا، امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام نفسی کو سنا تھا جبکہ امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس آواز کو سنا تھا جو کلام باری تعالیٰ پر دال تھی۔

کسی بھی چیز کی وجود کے اعتبار سے اقسام

(17)سوال: کسی بھی چیز کی وجود کے اعتبار سے کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: چار قسمیں ہیں: وجود فی الاعیان، وجود فی الاذہان، وجود فی الکتابۃ اور وجود فی العبارۃ۔ اول بالاتفاق حقیقی ہے، دوم مجازی ہے بخلاف حکماء کے، سوم اور چہارم بالاتفاق مجازی ہیں۔ جہاں یہ کہا جائے کہ قرآن حکیم مخلوق نہیں وہاں پہلی قسم یعنی اس کی حقیقت مراد ہوتی ہے اور جہاں اس کو حوادث کے لوازم کے ساتھ موصوف کیا جائے تو وہاں الفاظ مسموعہ مراد ہوتے ہیں جیسے کوئی کہے: میں نے آدھا قرآن پڑھ لیا۔ یا الفاظ مخیلہ جیسے: میں نے قرآن مجید حفظ کرلیا۔ یا اشکال منقوشہ جیسے: محدِث پر قرآن مجید کو چھونا حرام ہے۔

صفت کلام میں مخالف گروہ

(18)سوال: صفت کلام میں مخالف کون کون سے گروہ ہیں؟

جواب:درج ذیل ہیں:

- حنابلہ میں سے مبتدعہ:انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا کلام حروف اور آواز سمیت قدیم ہے، اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے حتیٰ کہ بعض نے تو جلد اور غلاف کو بھی قدیم کہہ دیا۔یہ قول بدیہی طور پر باطل ہے۔
- کرامیہ:انہوں نے بھی حنابلہ کی طرح کہا کہ آواز اور حروف اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں لیکن اس کو قدیم نہیں مانا بلکہ حادث جانا اور کہا کہ حوادثات کا قیام اس کی ذات کے ساتھ جائز ہے۔(معاذاللہ)
- معتزلہ:انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا کلام آواز اور حروف ہے جس کو وہ غیر میں پیدا کرتا ہے جیسے:لوح محفوظ، جبریل اور رسول اور یہ ان کے نزدیک حادث ہے۔

(19)سوال:اللہ تعالیٰ کے "مرید" ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:ارادہ اللہ جل وعلا کی صفت وجودیہ ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، مقدور کی تخصیص کو ثابت کرتی ہے اس کے وقتِ ایجاد کے خصوص کے ساتھ اور جس کو ارادہ نے ثابت کیا علم ازل سے اس کے متعلق ہوتا ہے اور اس کا علم حادث کے حدوث کی وجہ سے اب حاصل نہیں ہوا جیسا کہ جہم بن صفوان اور ہشام بن حکیم نے گمان کیا اور نہ ہی ہر مراد کے اعتبار سے ارادہ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ کرامیہ نے گمان کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ وتقدس حوادث کا محل ہونے سے پاک ہے۔

یاد رہے ارادہ اور مشیت آپس میں مترادف ہیں اور ان کے قریب لفظِ اختیار ہے تو یہ تینوں قدیم ہیں نہ یہ کہ جیسے گمان کیا گیا کہ مشیت قدیم ہے اور ارادہ حادث ہے جبکہ بعض نے کہا: اُس کے اپنے فعل کے ارادہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس پر مجبور، مغلوب نہیں اور نہ ہی بھولتا ہے اور غیر کے فعل کے ارادہ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کا حکم دیا ہے۔

تمام فرقوں نے اللہ تعالیٰ کے مرید ہونے پر اتفاق کیا ہے اگرچہ ارادت کے معنی میں ان کے درمیان اختلاف ہے اور اس پر درج ذیل آیات دال ہیں: ﴿ یُرِید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر﴾ ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا۔﴿وما تشاءُون الا ان یشاء اللہ رب العٰلمین﴾ ترجمہ: تم کیا چاہو جب تک اللہ نہ چاہے جو مالک سارے جہان کا ہے۔﴿وربك یخلق ما یشاء و یختار﴾ ترجمہ: اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جسے چاہتا اور پسند کرتا ہے۔

اہل حدیث کا چھے چیزوں پر اجماع

ابو محمد بن قتیبہ فرماتے ہیں: اہل حدیث نے چھے چیزوں پر اجماع کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

- جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو اللہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔
- ہر خیر و شر کا خالق اللہ ہے۔
- قرآن اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں۔
- قیامت کے دن اس کا دیدار ہو گا۔

- شیخین (صدیق و عمر رضی اللہ عنہما) فضیلت میں تمام صحابہ پر مقدم ہیں۔
- عذاب قبر پر ایمان رکھنا۔

نوٹ: ہر خیر و شر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اجمالی طور پر سب کی اسی کی طرف نسبت کی جائے گی ، تفصیلاً نسبت کرنے میں اختلاف ہے، اصح یہ ہے کہ خیر کی اس کی طرف نسبت کی جائے گی اور شر کی نسبت اپنے نفس کی طرف کی جائے گی بطور ادب۔ جبکہ معتزلہ یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف خیر کا خالق ہے شر کے خالق خود بندے ہیں۔

قاضی عبد الجبار معتزلی اور عَمرو بن عبید کا واقعہ

شرح البحر میں ہے: قاضی عبد الجبار معتزلی "صاحب بن عباد" کے ہاں آیا اور اس کے پاس امام ابو اسحاق اسفر ائینی بیٹھے ہوئے تھے تو قاضی عبد الجبار نے کہا: "سبحان مَن تنزه عن الفحشاء" یعنی پاک ہے وہ ذات جو بے حیائی والے امور کی تخلیق سے منزہ ہے۔ امام ابو اسحاق اسفر ائینی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً فرمایا: "سبحان من لایجری فی ملکہ الا مایشاء" یعنی پاک ہے وہ ذات جس کی بادشاہت میں کچھ واقع نہیں ہوتا مگر جو وہ چاہے۔

عَمرو بن عبید نے کہا: مجھے اتنا لاجواب کسی نے نہیں کیا جتنا ایک مجوسی نے کیا جو میرے ساتھ کشتی میں سفر کر رہا تھا، میں نے اسے کہا: تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ اس نے جواباً کہا: اللہ تعالیٰ نے میرے اسلام

کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ تو میں نے اسے کہا: اللہ تعالیٰ تیرے اسلام کا ارادہ کرتا ہے لیکن شیاطین تیرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ تو مجوسی نے کہا: تب تو میں غالب شریک کے ساتھ ہوں۔

(20) سوال: اللہ تعالیٰ کے "علیم" ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: علم اللہ جل شانہ کی صفت ازلیہ اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جو ہر چیز کا اس کی حقیقت کے ساتھ احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ ترجمہ: اور اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اور جب پیچھے یہ بات ثابت ہو چکی کہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا موجِد اور اپنے قصد و اختیار کے ساتھ صانع ہے تو محال ہے اسے اس کا علم نہ ہو۔ صفت علم سات صفات ذاتیہ متفق علیھا میں سے آخری ہے اور ان سات صفات ذاتیہ کو "صفات المعانی" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ایسے معانی ہیں جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور جدا نہیں ہوتے۔

اثباتِ صفات کے حوالہ سے مذاہب

(21) سوال: اللہ تعالیٰ کے لئے صفات کے اثبات کے حوالہ سے کتنے گروہ ہیں؟

جواب: درج ذیل ہیں:

☆ مذہب حق اہل سنت کا موقف: اللہ تعالیٰ کے لئے صفات کو ثابت کرتے ہیں۔

☆ جمہور باطنیہ نے اللہ تعالیٰ کے لئے صفات کے اثبات کا انکار کیا اور کہا ہر وہ چیز جس کا مخلوق پر اطلاق جائز ہے اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق جائز نہیں۔

☆ باطنیہ میں سے ایک گروہ نے کہا اس پر صفات کا اطلاق جائز نہیں مگر بطریق سلب یعنی ہم یوں نہیں کہیں گے کہ وہ موجود ہے بلکہ کہیں گے وہ معدوم نہیں وغیرہ۔

☆ کرامیہ نے صفات کے حدوث اور زوال کو جائز قرار دیا۔

☆ ان میں سے گروہ مشبھة نے اللہ جل وعلا کی صفات کو مخلوق کی صفات کے ساتھ تشبیہ دی۔

☆ معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ صفات کے وجود کا انکار کیا اور کہا وہ عالم ہے بغیر علم کے، قادر ہے بغیر قدرت کے۔ سوائے اہل سنت کے یہ سب گروہ باطل ومردود ہیں۔

(22)سوال:اللہ تعالیٰ کے افعال کی صفات کے ساتھ متصف ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اللہ جل ذکرہ افعال کی ان صفات کے ساتھ متصف ہے جو تاثیر پر دلالت کرتی ہیں جیسے: خالق، باری، المصور، رازق، المحیی، الممیت۔ ان تمام کو صفت "تکوین" جامع ہے اس اعتبار سے کہ یہ تمام اس کے تحت داخل ہیں اور یہ ان سب پر صادق آتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے﴿اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَيۡـًٔـا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ﴾ ترجمہ: اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ اللہ جل وعلا کے خالق، رازق، محیی اور مُمیت ہونے میں اہل سنت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ماتریدیہ کے نزدیک اس کی ذات کے مقتضیٰ کی وجہ سے اور اشاعرہ کے نزدیک اس اعتبار سے کہ وہ عنقریب پیدا کرے گا۔ اختلاف ترزیق، تخلیق، احیاء اور اماتت وغیرہ میں ہے جس کو تکوین سے تعبیر کیا جاتا ہے

ماتریدیہ کے نزدیک پہلی صفات کی طرح یہ بھی قدیم ہیں جبکہ اشاعرہ کے نزدیک یہ حادث ہیں کیونکہ ان کے مطابق یہ قدرت کے تعلق کا نام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کا عین ہیں یا غیر

(23)سوال: اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کا عین ہیں یا غیر؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی صفات نہ اس کی ذات کا عین ہیں کیونکہ ان کا مفہوم ذات کے مفہوم کا غیر ہے اور نہ ہی غیر ہیں کیونکہ یہ اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور اس سے جدا نہیں ہوتیں لہذا تعدد قدماء کا اعتراض لازم نہیں آتا اور نصاریٰ نے اقانیم ثلاثہ کو ثابت کیا جو وجود، علم اور حیات ہیں اور ان کا نام انہوں نے باپ، بیٹا اور روح القدس رکھا نیز اقنومِ علم کا انتقال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بدن کی طرف جائز قرار دیا یعنی انہوں نے انفصال اور انتقال کو جائز قرار دیا لہذا تغایر ثابت ہو گیا، خلاصہ کلام یہ ہے کہ ذوات قدیمہ کا تعدد محال ہے نہ کہ ذات اور صفات کا۔

موجود کی تقسیم

یاد رہے "موجود" متکلمین کے نزدیک "قدیم اور حادث" کی طرف تقسیم ہوتا ہے اور فلاسفہ کے نزدیک واجب اور ممکن کی طرف تقسیم ہوتا ہے اور حاجت کی علت متکلمین کے نزدیک "حدوث" ہے جبکہ فلاسفہ کے نزدیک امکان ہے اور فلاسفہ کے ہاں حدوث ذاتی و زمانی کے درمیان عموم خصوص کی نسبت ہے جبکہ متکلمین کے ہاں تساوی کی نسبت ہے اور قدیم متکلمین کے نزدیک کسی علت کی طرف اصلاً محتاج نہیں بلکہ وہ واجب فلسفی کے مساوی ہے جیسا کہ امکان فلسفی حدوث متکلم کے مساوی ہے تو جب متکلمین نے صفات کمالیہ کے قدیم ہونے کا قول کیا تو گویا انہوں نے ان کے کسی علت کی طرف عدم استناد کی تصریح کی ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ شرح مقاصد میں فرماتے ہیں: متکلمین جب ممکنات میں سے کسی چیز کو قدیم نہیں مانتے تو ان کے ہاں قدیم کو ثابت کرنا واجب کو ثابت کرنے کی طرح ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ "محصل" میں فرماتے ہیں: تمام متکلمین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قدیم کی نسبت کسی فاعل کی طرف کرنا محال ہے۔

میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ شرح مواقف میں فرماتے ہیں: تو جان لے کہ جس کے نزدیک حاجت کی علت حدوث ہے یا امکان تو اس کا حق ہے کہ کہے قدیم اصلاً کسی علت کا محتاج نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کو حادث یا مخلوق ماننے والے کا حکم

مسئلہ:

اللہ تعالیٰ کی صفات حادث یا مخلوق نہیں لہذا جس نے ان کے مخلوق یا حادث ہونے کا قول کیا یا توقف کیا کہ نہ قدیم ہونے کا قول کیا اور نہ حدوث کا یا اس مسئلہ میں شک کیا تو وہ کافر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف نقص، عیب کی نسبت کرنے والے کا حکم

مسئلہ:

اللہ تعالیٰ کی طرف "کِذب یا عجز" وغیرہ نقص کی نسبت کر کے سب کرنے والا کافر ہے اسی طرح جس نے جانتے ہوئے اس کی صفات ذاتیہ کی نفی کی جیسے حیات، علم، قدرت، سمع وغیرہ۔ ایسے ہی جو کہے وہ قادر نہیں یا جزئیات کا عالم نہیں تو وہ بھی بالاتفاق کافر ہے۔ جو ان صفات سے جاہل ہو اور بصیرت نہ رکھتے ہوئے نفی کرے تو اس کے کفر میں اختلاف ہے اور معتمد یہ ہے کہ وہ کافر نہیں ایسے ہی جو وصف کو ثابت کرے

لیکن صفت کی نفی کرے جیسے معتزلہ کہ وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ عالم ہے بغیر علم کے تو ان کی تکفیر میں بھی اختلاف ہے جس نے اس بات کے مآل کو دیکھا تو اس نے انہیں کافر قرار دیا کیونکہ انہوں نے جب علم کی نفی کی تو گویا عالم کی نفی کر دی کہ علم کے ساتھ عالم ہی موصوف ہوتا ہے اور جس نے مآل کو نہ دیکھا تو اس نے حکم کفر نہیں لگایا۔

(24)سوال: قضاء وقدر کی وضاحت کر دیں؟

جواب: قضاء وقدر پر ایمان رکھنا ضروری ہے کہ جو ہو چکا یا ہو گا سب کچھ ازل سے لکھا جا چکا ہے اور یہ قرآن و سنت، اجماع صحابہ اور سلف وخلف میں سے اصحاب حل و عقد سے ثابت ہے۔ فرقہ قدریہ نے اس کا انکار کیا اور کہا اللہ تعالیٰ نے کسی بھی چیز کا علم مقدر نہیں کیا اور اُس کو اِس کے وقوع کے بعد علم ہوتا ہے اور ان کے قول کا بطلان سورج سے بھی واضح ہے۔ ان کو قدریہ اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے تقدیر کا انکار کیا اور افعال کو بندوں کی طرف منسوب کیا۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ سب کے سب ختم ہو گئے اور اہل قبلہ میں سے اب اس عقیدہ پر کوئی بھی باقی نہیں رہا۔

معتزلہ نے کہا: خیر کا خالق اللہ ہے اور شر کا خالق انہوں نے بھی بندوں کو قرار دیا۔ تقدیر کے بارے بحث کرنا آزمائش میں واقع کرتا ہے اس لئے حدیث پاک میں فرمایا گیا: جب تقدیر کا ذکر کیا جائے تو اپنی زبانوں کو روک لو۔

کنزالفوائد میں ہے: تمام علماء کا اجماع ہے کہ قضاء وقدر پر راضی رہنا فرض ہے چاہے وہ اچھی ہو یا بری۔ اگر معترض اعتراض کرے کہ: اگر قضاء پر راضی رہنا فرض ہے تو پھر کفر پر راضی رہنا بھی فرض ہو گا اور یہ بالاجماع باطل ہے کیونکہ رضا بالکفر کفر ہے۔ تو اسے جواب دیا جائے گا کہ ایک ہے کفر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی

طرف اس اعتبار سے کہ وہ اس کو بنانے والا ہے اور دوسری کفر کی نسبت ہے بندہ کی طرف کہ وہ اس کے ساتھ متصف ہو اور اس کا محل بنے۔ تو یہاں رضا سے مراد پہلے اعتبار سے ہے نہ کہ دوسرے اعتبار سے۔

مسئلہ:

لوح محفوظ میں لکھے ہوئے سے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے اور جو "ام الکتاب" میں ہے وہ تبدیل نہیں ہوتا مبرم ہو یا معلق لہٰذا سعید کی سعادت اور شقی کی شقاوت اس کے علم میں مقرر ہے، اہل سنت کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ماتریدیہ کے نزدیک سعید (سعادت مند) کبھی شقی (بدبخت) ہو جاتا ہے اور شقی کبھی سعید ہو جاتا ہے حال کو دیکھتے ہوئے اور یہی موقف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے۔ جبکہ اشاعرہ کے نزدیک سعید سعید ہی رہتا ہے اور شقی شقی ہی یعنی اس میں تبدیلی نہیں ہوتی مآل کو دیکھتے ہوئے لہٰذا اختلاف فقط لفظی ہے۔

تقدیر کی اقسام

فائدہ:

تقدیر کی چار قسمیں ہیں: علم میں، لوح محفوظ میں، ماں کی رحم میں اور تقدیر کو اس کے وقت کی طرف چلانا۔ پہلی قسم میں تبدیلی نہیں ہوتی، دوسری میں ممکن ہے اسی طرح چوتھی میں جب اللہ تعالیٰ بندہ پر کرم فرماتا ہے تو تقدیر کو اس سے پھیر دیتا ہے۔

قضاء کی اقسام

قضاء کی دو قسمیں ہیں: مبرم اور معلق۔ پہلی میں تغیر ممکن نہیں جبکہ دوسری میں ممکن ہے۔ اسی (یعنی دوسری) کو ہی حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس فرمان میں مراد لیا: مرد تو وہ جو تقدیر کے درپے ہو اور بدل دے۔ اسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: قضاء کو رد نہیں کرتی مگر دعا۔ جو قضاء مبرم کو رد کرنے کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ اس میں تبدیلی ممکن نہیں۔

(25)سوال: "اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے" اس کی وضاحت کردیں؟

جواب: اللہ جل ذکرہ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے وہ اچھے ہوں یا برے اگرچہ برے افعال کی ادباً اس کی طرف نسبت نہیں کی جائے گی اور بندے کاسب ہیں جبکہ معتزلہ کہتے ہیں بندے اپنے برے افعال کے خود خالق ہیں۔ امام الائمہ، سراج الامہ سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک معتزلی سے مناظرہ ہوا جس سے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہو "ب" اس نے کہا: "ب" پھر فرمایا: کہو "دال" اس نے کہا "دال" پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر تو اپنے افعال کا خود خالق ہے تو "ب" کو "دال" کے مخرج سے نکال کر دیکھا جس پر معتزلی لاجواب ہو گیا۔

مسئلہ رؤیۃ باری تعالیٰ کی وضاحت

(26)سوال: مسئلہ دیدار باری تعالیٰ کی کچھ وضاحت کردیں؟

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق اہل سنت کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدار باری ہوا یا نہیں، راجح یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل شانہ کا جاگتی آنکھوں

سے دیدار کیا اور آخرت میں اہل سنت کے ہاں بالاتفاق اللہ کا دیدار ہو گا جبکہ معتزلہ اس کا مطلقاً انکار کرتے ہیں۔ یاد رہے دنیا میں خواب کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے جلووں کا دیدار ممکن ہے جمہور کے نزدیک اور کئی اسلاف جیسے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول بھی ہے جبکہ امام ابو منصور ماتریدی اور مشائخ سمرقند اس کا انکار کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے علاوہ جو دنیا میں جاگتی آنکھوں سے دیدار باری کا دعوی کرے ایسے شخص کو علماء نے کافر قرار دیا ہے۔ رسول کریم ﷺ کی زیارت جاگتے ہوئے اور خواب میں دونوں طرح بالاتفاق جائز ہے اور کئی سلف و خلف سے منقول ہے۔

معتزلہ عدم رُؤیۃ پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں پھر آنکھیں بند کرتے ہیں تو ہم تصور میں اس چیز کو واضح طور پر جانتے ہیں لیکن پہلے صورت میں ہم نے ایک امر زائد کو جانا۔ ایسے ہی جب ہم نے کسی چیز کے بارے مکمل طور پر سنا ہو اور اس کے تمام اوصاف ہمیں معلوم ہوں لیکن جب ہم اس کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو بدیہی طور پر ہم دونوں حالتوں میں فرق محسوس کرتے ہیں اور اسی کیفیت کو ہم رُؤیۃ کہتے ہیں جس کے لئے ضروری ہے کہ جو چیز آنکھوں سے دیکھی جائے وہ کسی نہ کسی جہت میں ہو، مخصوص فاصلہ پر ہو وغیرہ اور اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے۔ جبکہ ہم کہتے ہیں یہ محض تمہارا قیاس ہے اور اس کے مقابلہ میں ہمارے پاس قرآن وحدیث سے کئی دلائل موجود ہیں۔ پھر اس دیدار کی کیفیت کیسی ہو گی اس کے متعلق ہمارے علمائے اہل سنت فرماتے ہیں کہ جب جنت میں اسے دیکھیں گے تو پھر پتہ چلے گا۔

دنیا میں نبی کریم ﷺ کے لئے رُؤیۃ باری کے قائلین میں جمہور اہل سنت ہیں اور یہی صحابہ کرام میں سے حِبر الاُمہ مفسر قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سیرت

میں شبیہ رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، محدث امت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، شہنشاہ فقر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، حضرت عکرمہ، حضرت حسن بصری، امام احمد بن حنبل، امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا انکار کیا، ایسے ہی فقہاء اور متکلمین محدثین کی ایک جماعت نے کہا۔ بعض نے اس مسئلہ میں توقف اختیار کیا جیسے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور اکابر مالکیہ جن میں علامہ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ بعض دیگر نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کے ساتھ دیکھا۔

نبی کریم رروف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت چاہے خواب میں ہو یا جاگتی آنکھوں سے اس میں کوئی اختلاف نہیں، سب کے نزدیک جائز بلکہ کئی اسلاف کے لئے واقع ہے۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی صورت نظر آتی ہے یا مثالی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ قرافی اور امام یافعی فرماتے ہیں: صورت مثالی نظر آتی ہے اور بقیہ کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت حقیقیہ نظر آتی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کے نور اور معارف کے سورج ہیں تو جس طرح سورج اور نور اپنی حقیقی صورت کے ساتھ دور سے دیکھائی دیتے ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی اور روضہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کی مفارقت لازم نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ دیکھنے والے کے لئے تمام حجاب اٹھا دیتا ہے اور وہ وہیں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حق میں محال چیزیں

(27)سوال: کون سی چیزیں اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں؟

جواب:جو صفات گزر چکیں ان کی ضدیں اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں جیسے:معدوم ہونا،حدث کا طاری ہونا،ایک نہ ہونا، قائم بنفسہ نہ ہونا، کسی مخصص کا محتاج ہونا، حوادثات کے مماثل ہوناوغیرہ سب باتیں اس کے حق میں محال ہیں۔

اسی طرح کذِب (جھوٹ)اور وہ تمام چیزیں جن میں نقص وعیب کا معنیٰ ہو اس کے حق میں محال ہیں۔ نجدیہ نے اس مسئلہ میں اہل حق سے اختلاف کیا اور کہا:اللہ تعالیٰ جھوٹ پر قادر ہے(معاذاللہ)، اس پر دلیل یہ دی کہ اگر وہ جھوٹ پر قادر نہ ہو تو بندہ کی قدرت اس کی قدرت سے زیادہ ہو جائے گی کیونکہ بندہ اس پر قادر ہے۔ ان جہلاء نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا خالق ہے اور بندہ کسی چیز کے خالق نہیں بلکہ وہ تو کاسب ہیں تو پھر کیسے ان کی قدرت اللہ کی قدرت پر زیادہ ہو جائے گی۔الٰہیات کے کثیر مسائل میں اللہ تعالیٰ کے نقص وعیب سے پاک ہونے کے ساتھ دلیل دی جاتی ہے، نجدیہ نے ان تمام مسائل میں اہل حق کی مخالفت کی ہے۔

اللہ جل ذکرہ کذب اور تمام صفاتِ نقص سے پاک ہے اور اس پر سلف وخلف کی عبارات شاہد ہیں۔امام ابن ہمام "مسایرہ" میں فرماتے ہیں:ترجمہ

"اللہ تعالیٰ پر صفات نقص جیسے جہل اور کذب (وغیرہ) محال ہیں۔"

اس کی شرح "مسامرہ" میں ابن ابو شریف فرماتے ہیں:

" بلکہ اس کے حق میں ہر وہ صفت محال ہے جس میں نہ کمال ہو اور نہ ہی نقص کیونکہ اس کی سب صفات کمال والی ہیں۔" مزید فرمایا:" اشعریہ

اور ان کے علاوہ کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں کہ ہر وہ صفت جو بندوں کے حق میں نقص ہو وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔"

شرح مواقف میں ہے:

جھوٹ بالاتفاق اللہ کے حق میں محال ہے۔۔اس لئے کہ یہ نقص ہے اور نقص اللہ (تعالیٰ وتقدس) پر محال ہے۔

شرح عقائدِ دوّانی میں ہے:

کذب (جھوٹ) نقص ہے لہذا یہ ممکنات میں سے نہیں اور نہ ہی اس کو قدرت شامل ہے جس طرح باقی سب صفات نقص اس کے حق میں محال ہیں جیسے جہل اور عجز۔

کنزالفوائد میں ہے:

اللہ جل شانہ عقلاً اور شرعاً کذب سے پاک ہے کیونکہ یہ قبیح ہے اور عقل شرع پر موقوف ہوئے بغیر اس کی قبح کا ادراک کرتی ہے لہذا یہ اس کے حق میں محال ہے۔

اسی طرح اس کا جوہر ہونا بھی محال ہے کیونکہ جوہر کے لئے حرکت وسکون میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے اور یہ دونوں چیزیں حادث ہیں اور اللہ جل ذکرہ حوادثات کا محل ہونے سے پاک ہے۔

اسی طـــرح جسم کا ہونا اس کے حق میں محال ہے کہ جسم حوادثات میں سے ہے جو اس کی ذات کے حق میں محال ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ثابت کرے اس کے لوازمات کے ساتھ ایسے شخص کو علماء نے کافر قرار دیا ہے اور جو جسم کا اطلاق تو کرے لیکن لوازمات کے ساتھ نہیں بلکہ کہے اس کا جسم ہے لیکن ہمارے جیسا نہیں ایسا شخص اِس اطلاق میں خطاء کار ہے۔

اسی طـــرح عـــرض اس کے حق میں محال ہے کیونکہ یہ جسم کا محتاج ہوتا ہے اور جسم سے پہلے اس کا وجود نہیں ہوتا جبکہ اللہ جل شانہ ہر چیز سے پہلے ہے، کچھ بھی اس پر مقدم نہیں۔

اسی طـــرح اســـ کے لئے جہـــت کا ہونا محال ہے کیونکہ یہ حیزّ اور جسم کا تقاضا کرتی ہے جن کا بطلان ہم پڑھ چکے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے جسم کے قائلین کو بعض نے کافر قرار دیا اور بعض نے عدم تکفیر کا قول کیا، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے عدم تکفیر والے قول کو عامی کے ساتھ مقید کیا ہے۔

اسی طـــرح اللّـــہ تعـــالیٰ وتقـــدســـ کے حق میں قرآن وحدیث میں وارد ہونے والے متشابہات کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کرنا محال ہے جیسے: استواء، اصبع، ید، قدم، یمین، نزول وغیرہ۔ بلکہ ان کے اُس معنی پر بس ایمان رکھے جو اللہ تعالیٰ نے اِن سے مراد لیا۔ ماتریدیہ کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ متشابہات کے حصول کی معرفت منقطع ہے جیسا کہ امام فخر الاسلام علی بزدوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

اسی طـــرح کسی بھی چیـــز کا اســـ پر واجـــب ہونا محال ہے بلکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو نہیں چاہتا اسے نہیں کرتا، کچھ بھی اس پر واجب نہیں۔ معتزلہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا اور اس پر کئی امور کو واجب کیا جیسے: طاعت پر ثواب دینا، نافرمانی پر سزا دینا، بندوں کے لئے اصلح کی رعایت کرنا، تکلیفوں

پر عوض دیناوغیرہ ان کے نزدیک اللہ پر واجب ہے۔ نجدیہ بھی انہی کے طریقہ پر چلے اور کہا بعض گناہ ایسے ہیں جن کی سزا یقینی طور پر ملے گی۔

کسی بھی چیز کا حسن وقبح عقلی ہے یا شرعی

(28)سوال: کسی بھی چیز کا حسن وقبح عقلی ہے یا شرعی؟

جواب: عقلاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں عقل کے حسن کا ادراک کرنے میں صفت کمال کے معنی کے ساتھ اور قبح کا ادراک کرنے میں صفت نقص کے ساتھ شرع اس میں وارد ہو یا نہیں۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ حسن فعل استحقاقِ ثواب کے معنی میں اور قبحِ فعل عقاب کے معنی میں یہ عقلی ہے یا شرعی؟

- معتزلہ نے اس کے عقلی ہونے کا قول کیا اور کہا فعل کی ذات حسن وقبح کا تقاضا کرتی ہے اور یہ ورودِ شرع پر موقوف نہیں۔
- اشاعرہ نے کہا نفسِ فعل کے لئے کچھ حسن وقبح نہیں بلکہ شرع کا ورود اس کو حَسین یا قبیح بناتا ہے۔
- ماتریدیہ نے معتزلہ کی طرح حسن وقبح کے عقلی ہونے کا قول کیا لیکن اطلاق مذکور میں ان کی مخالفت کی یعنی معتزلہ نے کہا حسن وقبح کے ادراک کے بعد عقل موجِب ہے اللہ تعالیٰ پر بھی اور بندوں پر بھی جبکہ ہمارے نزدیک موجِب اللہ تعالیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بغیر کسی جرم کے مخلوق کو سزادینے کے حوالہ سے عقیدہ

مسئلہ:

اللہ جل شانہ کا بغیر کسی جرم کے مخلوق کو سزا دینا عقلاً جائز ہے اور یہ اس کی طرف سے قبیح نہیں جبکہ معتزلہ اس کو جائز نہیں قرار دیتے اور کہتے ہیں یہ ظلم ہے جو اللہ کے حق میں محال ہے۔اس کے جواب میں ہمارے علماء فرماتے ہیں: یہ ظلم نہیں کیونکہ ظلم غیر کی ملکیت میں تصرف کرنے کو کہتے ہیں اور یہ اس کے حق میں محال ہے کیونکہ سب کچھ اس کی ملکیت میں ہے۔اس کے جواز پر اس کا وقوع بھی دلالت کرتا ہے جیسے حیوانات کو مختلف قسم کی تکالیف کا پہنچنا وغیرہ۔

تکلیف مالایطاق کا حکم

مسئلہ:

اشاعرہ کے نزدیک تکلیف مالایطاق جائز ہے جبکہ معتزلہ نے اس کا انکار کیا اور احناف نے انہیں کی مواقفت کی لیکن اس اعتبار سے نہیں کہ اللہ پر اصلح واجب ہے۔اور یہ اختلاف فقط عقلاً جائز ہونے یا نہ ہونے میں ہے اور اس کے عدم وقوع پر سب کا اتفاق ہے۔

مطیع کو ثواب دینا، عاصی کو سزا دینا واجب نہیں

مسئلہ:

مطیع کو ثواب دینا محض اللہ جل ذکرہ کے فضل سے ہے،اس نے اپنے آپ پر واجب نہیں کیا جیسا کہ فلاسفہ نے کہا اور نہ ہی کسی کی طرف سے اس پر واجب ہے جیسا کہ معتزلہ نے کہا۔عاصی کو سزا دینا محض اس

کا عدل ہے، ظلم یا اس پر واجب نہیں۔ جبکہ معتزلہ کہتے ہیں جو گناہوں پر اصرار کرتے ہوئے مرا اس کو سزا دینا اور طاعت پر فوت ہونے والے کو اس کا بدلا دینا اور کبیرہ گناہوں پر مواخذہ کرنا اس پر واجب ہے اور صغیرہ گناہوں کے مرتکب کو سزا دینا جائز نہیں۔ جبکہ طائفہ حق اہل سنت کے دونوں گروہ ماتریدیہ اور اشاعرہ کے نزدیک اس پر کچھ بھی واجب نہیں، ہمارے نزدیک کبیرہ گناہ کی سزا ضروری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یا کسی اپنے مقرب کی سفارش سے اس کو معاف کر سکتا ہے، ایسے ہی صغیرہ پر سزا بھی دے سکتا ہے۔

- **فرقہ خوارج** نے کہا اگر کبیرہ گناہ کا مرتکب بغیر توبہ کے مرا تو اس کا حکم کفار جیسا ہے اور انہوں اس کی تکفیر کی صراحت کی بلکہ ان میں سے بعض نے تو یہاں تک کہا کہ صغیرہ کا مرتکب بھی کافر ہے اور ہر گناہ شرک ہے (معاذ اللہ)۔
- **معتزلہ** نے اس مسئلہ میں "مَنزِلة بينَ المنزلتَينِ" کو ثابت کیا یعنی کہا ایسا شخص ایمان سے نکل جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا، ایسا شخص جب مرا تو ان کے نزدیک بھی اس کے احکام کفار والے ہیں یعنی اس کی نماز جنازہ نہیں، اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کر سکتے اور اس کے لئے دعائے مغفرت بھی جائز نہیں، جبکہ ان میں سے بعض نے کہا اس کو سزا یقینی طور پر ملے گی لیکن بالآخر وہ جنت میں داخل ہو گا جیسا کہ بشر مریسی اور خالدی نے کہا۔
- **نجدیہ** بھی اسی کی طرف مائل ہوئے جو بشر مریسی اور خالدی نے کہا۔
- **مذہب حق** یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب اگرچہ بغیر توبہ کے فوت ہوا اس کی معافی جائز ہے اللہ کے فضل یا مقربین میں سے کسی کی شفاعت کے ساتھ اور اگر سزا ملی تو وہ دائمی نہیں ہو گی بلکہ مقررہ وقت کے لئے، آخر کار وہ جنت میں جائے گا۔ ارشاد باری عزّ اسمہ ہے ﴿إِن

اللہ لایغفران یشرک بہ ویغفر مادون ذٰلک لمن یشاء﴾ ترجمہ: بیشک اللہ تعالٰی کفر کو معاف نہیں فرماتا اور کفر سے نیچے جتنے گناہ ہیں جسے چاہے گا بخش دے گا۔

نجدیوں کے نزدیک کبیرہ گناہ پر مصرّ کا حکم

مسئلہ:

خوارج کے گروہ نجدات نے کہا جو کبیرہ گناہوں پر مصرّ نہ ہو وہ کافر نہیں اور جو گناہوں پر اصرار کرے اگرچہ صغیرہ ہوں وہ کافر ہے۔ نجدیہ نے انہیں کی اتباع کی کبیرہ گناہوں کے مصر پر حکمِ کفر لگانے میں۔

کفر والا گناہ عقلاً معاف ہو سکتا ہے، شرعاً نہیں

مسئلہ:

شرعاً کفر کے معاف نہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ معتزلہ اور احناف میں سے صاحب "عمدہ" نے کہا کفر کی معافی عقلاً بھی جائز نہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ حکمت کے مخالف ہے کیونکہ اس صورت میں محسِن اور مسیٔ میں فرق نہیں رہے گا لہذا اللہ تعالٰی پر کافر کو سزا دینا واجب ہے جیسا کہ مسایرہ میں ہے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ ہمارے قول سے اللہ تعالٰی پر وجوب لازم آرہا ہے تو انہوں جواب یہ دیا: اللہ تعالٰی نے بطور فضل اور احسان اپنے آپ پر خود لازم کیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے﴿کتب علی نفسہ الرحمۃ﴾ ترجمہ: تمہارے رب

نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم کرلی ہے۔﴿وکان حقا علینا نصر المؤمنین﴾ترجمہ:اور ہمارے ذمہ کریم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا۔

اللہ تعالیٰ کے افعال "معلَّل بالاَغراض" نہیں

مسئلہ:

اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں حکمت ہے چاہے ظاہر ہو یا مخفی اور حکمت کا مطلب غرض نہیں اگر اس کی تفسیر کی جائے ایسے فائدہ کے ساتھ جو فاعل کی طرف لوٹے کیونکہ فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کے افعال "معلّل بالاَغراض" نہیں کہ فعل اس غرض کے ساتھ فاعل کے استکمال کا تقاضا کرتا ہے یعنی اس فعل کا حصول فاعل کے لئے اس کے عدم سے اولیٰ ہے اور یہ ہر چیز سے کمال غنی کے منافی ہے۔اللہ عزاسمہ فرماتا ہے﴿ان اللہ غنیّ عن العلمین﴾ترجمہ:بیشک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔اور اگر غرض کی تفسیر کی جائے ایسے فائدہ کی ساتھ جو فاعل کے غیر کی طرف لوٹے جیسا کہ فقہاء سے منقول ہے کہ اس کے افعال ایسی مصلحتوں کے لئے ہیں جو بندوں کی طرف لوٹتی ہیں تو اس کے مطابق فعل کا ارادہ اس سے جائز ہے نظر کرتے ہوئے اس منفعۃ کی طرف جو فعل پر مرتب ہوتی ہے نہ کہ علت غایہ کی طرف نظر کرتے ہوئے جو فعل پر ابھارتی ہے کہ اس صورت میں مذکورہ اعتراض لازم آئے گا۔

معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کے افعال کو "معلل بالاغراض" بتایا اور دلیل یہ دی کہ اگر فعل کی کوئی علت نہ ہو تو اس کے افعال کا عبث ہونا لازم آئے۔شارح مواقف نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ عبث وہ ہے

جو فوائد و منافع سے خالی ہو جبکہ اللہ جل جلالہ کے افعال کئی حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہوتے ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا، لہذا اعتراض مذکور لازم نہیں آتا۔

نجدیہ کے سرگنا نے "تقویۃ الایمان" میں اللہ تعالیٰ کی مثال ایسے بادشاہ کے ساتھ بیان کی جو اس چور کو معاف کرنا چاہتا ہے جس نے چوری کو اپنا پیشہ نہیں بنایا بلکہ اس سے شامت نفس کی وجہ سے صادر ہوئی اور وہ اس پر شرمندہ، دن رات خائف بھی ہے لیکن سلطان اس کو بغیر کسی سبب کے معاف کرنے پر قادر نہیں تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کے فیصلوں کی قدر کم نہ ہو جائے۔ حالانکہ اس مسکین نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز قادر ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ تو اُس چور کو بھی معاف کرنے پر قادر ہے جس نے چوری کو اپنا پیشہ بنالیا ہو اور اس پر شرمندہ بھی نہ ہو۔

للہ الحمد فی کل الآن والمکان فحسب وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ وزینہ و صححہ وحررہ: العبد الفقیر احمد نواز قادری عطاری جلالی فریدی

ہاتف: 03024154930